

مولانا محمد سالم قاسمی
ابن مولانا قاری محمد طیب قاسمی

تعارف

مجلس معارف القرآن

دارالعلوم دیوبند

تاریخ ہند کا جو دور مغل سلطنت کے ساتھ ختم ہوا وہ ایک طرف ملت اسلامیہ ہند کیلئے سیاسی، معاشی اور تمدنی ابتری کا المناک دور تھا تو دوسری طرف اسی دور میں ماضی قریب کی اسی خاکستر سے وہ چنگاریاں بھی فروزاں ہوئیں جنہوں نے ملت اسلامیہ کو علم کی روشنی دی عمل کا حوصلہ بخشا، دین کا صحیح تصور عطا کیا اور اخلاق و روحانیت کی فضا پیدا کی۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں فرنگی اقتدار اور تسلط کے بعد امت اسلامیہ ہند یہ کیلئے خاک پاک وطن اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود دینی اور اسلامی حیثیت سے تنگ ہو چکی تھی اور یہ تنگی وقتی اور ہنگامی نہیں تھی بلکہ حالات کے تسلسل، تاریخ کی کروٹوں اور اقتدار وقت کی بھرپور کوششوں سے پیدا ہوتی تھی، لیکن اس تنگ ماحول اور گھٹی ہوئی فضا میں دینی و ملی بقا و استحکام کے لئے یگانہ روزگار شخصیتوں کے ایک با حوصلہ، صائب الرائے، وسیع الفکر، بالغ نظر اور عہد آفرین طبقہ نے فکر و لی الہی کے رانس رئیس اور دانیان وقت کے سرخیل حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی فکری سیادت کے تحت بروقت یہ مستحکم فیصلہ کیا کہ — ”ہندوستانی مسلمانوں کی دینی اور ملی شیرازہ بندی کے لئے دینی تعلیمات کی اشاعت و عمومیست لازمی ہے، اس کے بغیر ملت کا ہر قدم بے نتیجہ اور ہر اسکیم ادھوری رہے گی۔“

یہ فیصلہ متعدد جہات سے وقت و بخت کا بہت ہی اہم اور مبارک فیصلہ تھا، جو ملت اسلامیہ ہند کی مستقبل گری میں انتہائی کارآمد ثابت ہوا۔ چنانچہ وقت و حالات کی مساعدت کا انتظار کئے بغیر حجت الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے جلیل القدر رفقاء کرام کے پر خلوص تعاون سے اپنے اس عظیم الشان فیصلہ کو ”دارالعلوم دیوبند“ کی شکل میں

عملی جامہ پہنا دیا۔

۱۸۵۶ء رستخیز کے دس سال بعد ۱۸۶۶ء سے تا دم تحریر دارالعلوم دیوبند نے ملت اسلامیہ ہند کے دینی بقاء اور اسلامی ارتقاء کا جو فریضہ انجام دیا ہے۔ اس کو مسلمانان برصغیر کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر پائے گی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام یوں تو ایک دینی تعلیم گاہ کی حیثیت سے ہوا، لیکن درحقیقت اس نے ذہنی و فکری، علمی و عملی، دعوتی و اصلاحی، تہذیبی و ثقافتی اور انفرادی و اجتماعی خطوط پر ملت اسلامیہ ہند کی ہمہ جہتی تربیت و پرواخت کے مرکزی ادارے کی حیثیت اختیار کر لی اور گزشتہ سو سالہ تاریخ میں اس نے جو دینی شعور مسلمانان برصغیر کو بخشا اور ایمانی حرارت و وحدت کا جو سرمایہ بہم پہنچایا ہے۔ اس کے پیش نظر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسی کی بدولت مسلمانان ہند اس صدی کے ہیجان انگیز سیاسی انقلابات اور ان کے ہر لٹاک نتائج سے دوچار ہونے کے باوجود اپنی دینی و اسلامی زندگی کے ڈھانچے کو امکانی حد تک برقرار رکھنے میں ناکام نہیں رہے ہیں اور اسی استقامت کی بدولت آج مجدد اللہ دارالعلوم کی دینی مرکزیت نہ صرف برصغیر ہند و پاک بلکہ تبت، سیلون، برما، سیام، ملایا، انڈونیشیا، افغانستان، ایران، ترکی، مشرق وسطیٰ اور مشرقی افریقہ تک مسلم و ناقابل انکار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی اس علمی پیش رفت کے مقابلہ میں فرنگی اقتدار کے پیش نظر سیاسی استحکام حاصل کرنے کے ساتھ محکوم افراد کے دل و دماغ کو بھی مفتوح و مسح کرنے کی اسکیم تھی، چنانچہ ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک انگریز دماغ نے برصغیر میں وہ شاطرانہ منصوبے اختیار کئے جن کا عنوان بنام "تعلیم و دلش اور جن کا مقصد فی الحقیقت ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو "خون اور نسل کے اعتبار سے گوہندوستانی ہوں مگر دل و دماغ کے اعتبار سے انگریز ہوں" اس منصوبے پر پوری جدوجہد کی تاکہ عملدرآمد کیا گیا اور ہر ممکن طور پر ہندوستانی نسل کو فکری و ذہنی اعتبار سے اتنا متاثر کر دیا گیا کہ وہ اپنی تہذیب، اپنے تمدن اور اپنے مذہب سے بتدریج بیگانہ ہوتی چلی گئی، اور ایسے ہندوستانی نوجوان تیار کئے گئے۔ جو کم از کم اخلاقی پابندیوں کے عادی اور زیادہ سے زیادہ فکری بے راہ روی کے خوگر ہوں، ان میں علم کا جو مقدر بہت شعور پیدا کیا گیا وہ مغربی علوم کی برتری و فوقیت کے احساس پر مبنی تھا۔ ان کو جتنا کچھ مذہب بنایا گیا اس میں مغربیت و فرنگیت کی نقالی کو اساسی حیثیت حاصل تھی، ان کی اجتماعی اور سیاسی تربیت جن خطوط پر

کی گئی وہ یکسر مفاد پرستی و خود غرضی کے تصورات پر مشتمل تھی۔

پچھلی ایک صدی میں ان ایمان کش اور ملت دشمن منصوبوں کے مقابلے میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور اس کے فضلاء تعلیم و تدریس و عورت و تبلیغ، ارشاد و اصلاح اور تصنیف و تالیف کے ذریعے ہر محاذ پر ملت کو ان مذہب اثرات سے بچانے کی پیہم جدوجہد کرتے رہے۔
تدریس و تعلیم ہی ہے، اس لئے اس کا یہ فیض مدارس و مکاتب کی شکل میں ملک کے گوشے گوشے میں خود بخود پہنچتا رہا، اسی کے ساتھ تصنیف و تالیف کی عمومی اور دائمی افادیت کو بھی اکابر دیوبند نے ہر دور میں ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ تصنیف و تالیف کے میدان میں اکابر و اصغر دیوبند کی خدمات آج کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں، ان کی مقبول عام کتب نے ملت اسلامیہ ہند کی بڑے پیمانے پر ذہنی و فکری تربیت کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات خوش آئند ہے کہ عصر حاضر کے تصنیفی اور لٹرییری ذوق کے وجود سے نتائج و اثرات کا عالمگیر جائزہ لینے کے بعد یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ جماعت دیوبند کے اس تصنیفی مزاج سے عصری تقاضوں کی روشنی میں زیادہ منظم طور پر باضابطہ کام لیا جائے تاکہ عوامی اصلاح کے ساتھ ساتھ فکر و تحقیق کے اس میدان میں بھی براہ راست پیش قدمی ہو سکے جہاں سے فاسد افکار و نظریات کے جراثیم پھوٹتے اور پھیلتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ عوام ہی نہیں بلکہ خواص تک ان سے متاثر و مانوس ہونے لگتے ہیں، اسی نقطہ نظر سے آج کے حالات میں خصوصیت کے ساتھ یہ پہلو توجہ طلب بن کر سامنے آیا۔

بہتی ہوئی دنیا ہر روز انسانی فکر و ذہن کو نئی نئی انجمنوں اور نئے نئے مسائل سے دوچار کر رہی ہے۔ ملت اسلامیہ جو اس ہنگامہ پر ورادہ سیمیان انگیز تہذیب و تمدن کے سائے میں زندگی گزار رہی ہے جس کا ہر عنصر ایمانی تقاضوں کی صدا اور جس کا ہر پہلو اسلامی طرز زندگی سے مختلف ہے، اس ملت اسلامیہ کی نگاہ آج پھر قرآن کریم سے براہ راست استفادہ و رہنمائی کی آرزو مند ہے۔ ان حالات کا لازمی تقاضا تھا جو داعیہ بن کر من جانب اللہ قلب میں پیدا ہوا اور اس عنوان سے یہ ضرورت سامنے آئی کہ :

”دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو بالاستقلال اور براہ راست علمائے سلف و خلف کی حکیمانہ قرآنی تحقیقات کو مقبول اسلوب کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اور اس مقصد کے لئے ایسے صاحب ذوق و نظر اہل قلم علماء کا تعاون حاصل کرے جو قدیم علوم میں راسخ رکھنے کے ساتھ عصری

تقاضوں کے ادراک و بصیرت میں معتمد و ممتاز ہوں ۛ

کام بہت اہم، مقصد بہت اونچا اور ذمہ داری جہاں بہت بڑی تھی وہیں اس دورِ نقطہ الرجال میں مردانِ کار کی کمیابی کا احساس بھی تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند کا فیضانِ علمی ڈھارس بندھانے میں پیش پیش رہا۔

چنانچہ رجب ۱۳۸۳ء میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے اپنے اجلاس میں خدمتِ قرآن کی اس پیشکش کو منظور کیا۔

مجلس شوریٰ کی اس تجویز اور فیصلے کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ ہتھم دارالعلوم دیوبند نے اس قرآنی ادارے کے قیام کے سلسلے میں عملی پیش رفت کے لئے پوری توجہ اور التفاتِ خصوصی سے کام لیا اور ابتدائی طور پر آغازِ کار شوال ۱۳۸۳ء میں اساتذہ دارالعلوم کے ایک اجتماع میں فرمایا۔ اور بانی دارالعلوم حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی ایک نادر قرآنی تحقیق کو اردو سے عربی میں منتقل کرنے کی خدمت اس قرآنی ادارے کے تحت دارالعلوم کے ایک صاحب استعداد فاضل میری عمید الزمان صاحب کے سپرد فرمائی، موصوف اس ترجمہ کو تدبیراً کرتے رہے۔ لیکن اس سال میں صدر مجلس معارف القرآن حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ ہتھم دارالعلوم کے طویل اسفار، کثرتِ کار اور اخیر سال میں حضرت مدظلہ کی علالت کے سبب تصنیفی یا انتظامی کاموں میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی، جب کہ حضرت محترم کے فکر و نظر پر بنیادی اعتماد ہی اس کے قیام کا بھی بنا تھا، تو غیر معمولی اخلاص کی وجہ سے آنحضرم کی رہنمائی کے بغیر کوئی اقدام ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ البتہ شوال ۱۳۸۴ء میں اس ادارہ کو ایک باضابطہ ادارے کی صورت دے دی گئی۔ اور حقیقتاً اسی وقت مجلس معارف القرآن کا باضابطہ آغاز ہوا۔

چنانچہ اس ذیل میں حضرت صدر محترم مدظلہ العالی کی بصیرت مندانہ راہنمائی اور جناب مولانا حامد الانصاری غازی رکن مجلس منتظمہ مجلس معارف القرآن کے مفکرانہ مشوروں کے تحت ابتداء قرآن مجید کی ایک خاص طرز کی خدمت پر مشتمل ایک تصنیفی خاکہ تجویز کیا گیا، یہ خاکہ قرآن کریم کی چودہ سو سال خدمات کا جائزہ تھا۔ یعنی ابتداء سے اس وقت تک اہل علم و تحقیق نے قرآن پر جو کچھ کام کیا۔ اس کا مکمل تعارف کتابی صورت میں پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کا ایک عملی نقشہ ترتیب دیا گیا۔ تصنیفی خاکے کے ابتدائی امور جس حد تک تکمیل طلب ہوتے ہیں۔ اس حد تک متہ

کام شروع کر دیا گیا۔

اس قرآنی جائزہ میں یہ پہلو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا کہ قرآنی علوم پر ہونے والی عالمگیر خدمات کی تفصیل پوری وسعت نظر کے ساتھ یکجا کر دی جائیں تاکہ اس جائزہ کی روشنی میں قلم کے ارباب علم و قلم اور اصحاب ارشاد و تبلیغ پوری بصیرت کے ساتھ یہ جان سکیں کہ دنیا کے کون کون سے خطے میں قرآنی پیغام کو زبان یا قلم سے پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اور اس کی پیغام رسانی میں کن مؤثر و معقول تدابیر و وسائل کی کمی ہے جنہیں پیدا کرنا ہے۔ اور ابھی کتنی قوموں اور کتنی زبانوں کو قرآن مجید کے مستند و مؤثر تراجم و تفاسیر کی ضرورت ہے۔

لیکن چونکہ قرآنی خدمات کے اس جائزہ کو زیادہ وسیع اور زیادہ ہمہ گیر بنانے کا داعیہ ابتداء ہی سے کار فرما تھا۔ اس لئے اس جائزہ کا تفصیلی خاکہ مسلسل غور و فکر اور ذہنی پخت و پز کے تدریجی مراحل سے گزرتا رہا۔ اور آخر کار اس موضوع کی عملی وسعتوں نے از سر نو اس تصنیفی خاکے کی ترتیب پر مجبور کر دیا۔ متعدد توجہ طلب تصنیفی گوشے سامنے آئے اور مزید افادہ پہلوؤں کی حمایت سے نئے تصنیفی خاکے کی ترتیب شروع کی گئی، آخر کئی ماہ کی مسلسل محنت اور متعدد اہل علم کے مفید مشوروں کی روشنی میں ایک جامع ”دائرة المعارف القرآنیه“ کا طویل الذیل خاکہ مرتب ہو گیا۔ جس میں ایک طرف تا بعد امکان خدمات قرآن کا موجودہ سوسالہ مکمل علمی، تصنیفی اور تحقیقی جائزہ فراہم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اور دوسری طرف اسکو قرآن کریم کے لفظ و معنی سے متعلق تمام علمی، ادبی، تفسیری، اصطلاحی موضوعات پر حاوی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز عصر حاضر کے پیدا کردہ ان تمام سوالات و شبہات کے جوابات پر مشتمل جامع مقالات و مضامین بھی اس میں رکھے گئے جو اسلامی عقائد اور قرآن کریم کے بارے میں عام طوط پر پیش آتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے موجودہ نسل میں اسلامی تعمیرات پر یقین و اذعان کی جگہ شکوک و شبہات نے سے لی ہے، یہ دقیق و عظیم تصنیفی خاکہ کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد موجودہ مرتب شکل اختیار کر سکا ہے جس کے لئے یقیناً بصیرت مندانہ علمی و فکری جدوجہد کی ضرورت ہے، یہ تصنیفی خاکہ تا حال تقریباً سولہ ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب ایک اہم ترین کلیدی موضوع کا حامل ہے۔ پھر ہر باب کے تحت متعدد فصلیں اور ہر فصل میں متفرق ذیلی عنوانات رکھتی ہیں، یہ ابواب تلو سے زائد فصلوں اور پانچ سو کے قریب ذیلی عنوانات کے تحت ترتیب دئے گئے ہیں۔

اس تصنیفی خاکے کا ہر باب بذاتِ خود ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔ اس لئے یہ

وقع کار تصنیف ارباب علم و تحقیق کی اجتماعی عرق ریزی کا محتاج ہے، چنانچہ صدر محترم مجلس معارف القرآن کے ملاحظہ عالی سے گزارنے اور اسکی منظوری حاصل کرنے کے بعد اس تصنیفی خاکے کے مختلف ابواب ذوقی و علمی مناسبت کے پیش نظر مختلف ابواب قلم کے سپرد کئے گئے ہیں۔

اب حضرات مؤلفین متعلقہ عنوانات کا مواد فراہم کرنے اس کو ترتیب دینے اور اسکی تسوید میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ فکر و تحقیق کے کسی منتخب معیار کے مطابق کسی طویل الذیل کار تصنیف کا پایہ تکمیل تک پہنچنا آسان بات نہیں ہے۔ اور اس کے تکمیل پذیر ہونے میں غیر ضروری عجلت بھی اختیار نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ایسا جامع تصنیفی خاکہ بیک وقت مکمل ہو سکتا ہے، اس لئے تصنیفی ترتیب کے ساتھ تیار شدہ مسودات مناسب ضخامت کی جلدوں پر منقسم ہو کر اشاعت پذیر ہوتے رہیں گے، چونکہ حضرات مؤلفین نے متعلقہ موضوع پر ۱۹۶۵ء کے ربیع آخر میں قلم اٹھایا ہے۔ اس لئے مسودات کا صاف و خوش قلم لکھوانا اور پھر کتابت و طباعت کے طویل مراحل سے گزرنا خاصا وقت چاہتا ہے، اس لئے توقع ہے کہ اس دائرۃ المعارف القرآنیہ کے کچھ کڑا سے مجلس ۱۹۶۶ء میں شائع کر سکے گی۔

مجلس معارف القرآن اس کو مقصدی حیثیت دیتی ہے کہ معاشرے کے ذہن کو عصر حاضر کے دسادس و خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے دعوتی و اصلاحی انداز کا لٹریچر عام فہم زبان اور متین و معقول لب و لہجے کے ساتھ پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسی ذیل میں مجلس کی عرضداشت پر صدر مجلس مدظلہ العالی نے اپنی ایک اہم قرآنی تالیف کی تدوین و تہذیب پر کافی وقت صرف فرما کر مجلس کے سپرد فرمایا جسے عربی اور انگریزی زبان میں منتقل کر دیا گیا ہے، اب یہ ترجمہ کے مراحل سے گزر کر نظر ثانی کی منزل میں ہے، انشاء اللہ ۱۹۶۵ء کی کارگزاری کی شکل میں یہ اہم قرآنی تالیف بھی اردو، انگلش اور عربی میں سال ۱۹۶۶ء میں مجلس اہل نظر کی خدمت میں پیش کر سکے گی۔

پیش نظر تصنیفی خاکے کی روشنی میں تراجم و تفاسیر قرآن کی ایک تفصیلی یادداشت تیار کی گئی ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اب تک قرآن کریم کے کتنے تراجم اور کتنی تفاسیر طبع ہو چکی ہیں، امکانی حد تک اس فہرست میں یورپ، ایشیا و افریقہ کی زبانوں میں تراجم و تفاسیر قرآن کریم سے متعلق معلومات فراہم کرانکی سعی کی جا رہی ہے۔

اس کے علاوہ حضرات اکابر دیوبند کی تصانیف کی فہرست سازی کی جا رہی ہے جس میں ہر موضوع سے متعلق الگ کتابوں کی ترتیب کی جا رہی ہے۔ نیز اس فہرست کی روشنی میں تمام منتسبین دیوبند